



## سوال

(360) فجر سے پہلے اذان درست ہے یا نہیں؟

## جواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

فجر سے پہلے اذان درست ہے یا نہیں۔ کیا غمیر رمضان میں بھی سحری کے وقت اذان ہو سکتی ہے؟ اگر غمیر رمضان میں سحری کے وقت اذان ناجائز ہے۔ تو اس حدیث کا مطلب کیا ہوگا؟

عن ابن مسعود ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یمنعن احدکم اذان بلال من سحرہ فانہ یؤذن او قال ینادی بلیل لیرجع قائمکم ویوقظ سائمکم رواہ الجماعة الا الترمذی "عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! بلال رضی اللہ عنہ کی اذان تم سے کسی کو سحری کھانے سے نہ روکے، کیوں کہ وہ رات میں اذان دیتا رہتا ہے، تاکہ تمہارے قیام کرنے والے کو لوٹانے اور سونے والے کو جگانے، اور امام ترمذی نے جو باب باندھا ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟"

باب ماجاء فی الاذان باللیل، ینو باللیل تو جروا عند اللہ۔

## الجواب بعون الوهاب بشرط صحة السؤال

و علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلوة والسلام علی رسول اللہ، أما بعد!

عن ابن عمر وعائشہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان بلالاً رضی اللہ عنہ یؤذن بلیل فقواوا اثر یوا حتی ینادی ابن ام مکتوم وكان رجلاً علمی لا ینادی حتی یقال لہ اصحت اصحت متفق علیہ وفي اخره ادراج

"ابن عمر رضی اللہ عنہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! بلال رات کو اذان دیتا ہے، پس سحری کھاؤ بیو! یہاں تک کہ عبد اللہ بن مکتوم اذان دے، اور ابن ام مکتوم نایبنا آدمی تھا۔ اذان نہیں دیتا تھا۔ یہاں تک کہ کہا جاتا، صبح ہوگئی، صبح ہوگئی۔ اور اخیر کا کلام (وکان رجلاً علمی) اخیر تک راوی کا قول ہے۔"

اس حدیث پر سبل السلام نے لکھا ہے۔

وفي شرعية الاذان قبل الفجر لما شرع الاذان فان الاذان كما سلف للاعلام بدخول الوقت ولدعاء السامعين لحضور الصلوة وهذه الاذان الذي قبل الفجر قد اخبر النبي صلی اللہ علیہ وسلم بوجه شرعية بقوله لم يوقظ قائمكم ويرجع قائمكم رواه الجماعة الا الترمذی والقائم هو الذي يصلي صلوة اللیل ورجوعه عوده الی نومہ او قعوده عن صلوة اذا سمع الاذان فليس للاعلام بدخول وقت لا بحضور الصلوة..... فذكر الاختلاف في المسئلة والاسدلال للمانع وللجيز لا يلتفت اليه من حمد العمل بما ثبت (سبل السلام ص ٤٤٠ ج ١)

اس میں فجر سے پہلے اذان دینے کا ثبوت ہے۔ مگر یہ اذان اس خاطر نہیں، جو اذان کی اصل غرض ہے۔ کیوں کہ اصل غرض اذان کے وقت نماز کا اعلان اور سامعین کو حضور نماز کی دعوت ہے، اور ایک اذان کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ سوتے ہوئے کی جگانے کی خاطر اور قائم کو لوٹانے کی خاطر ہے۔ اس کو ترمذی کے سوا باقی



جماعت نے روایت کیا ہے اور قائم سے مراد جو رات کو نماز پڑھتا ہے اور اس کے لوٹانے سے مراد یہ ہے کہ وہ سو جانے یا نماز سے فارغ ہو کر بیٹھ جائے جب کہ اذان سنے۔ پس یہ اذان نہ وقت نماز کیا اطلاع کے لیے ہے نہ حضور نماز کی خاطر ہے۔ پس اس مسئلہ میں جواز عدم جواز کے جھگڑے میں اور مانع اور مجوز کے استدلال کی بحث میں وہ شخص نہیں پڑ سکتا، جس کا مقصد ثابت شدہ شے پر عمل ہے۔

اس بیان سے ایک تو سحری کی اذان ثابت ہوئی۔ دوم یہ معلوم ہوا کہ اذان کی غرض وہ نہیں جو عام اذان کی ہے، بلکہ جیسا حدیث کے الفاظ سے واضح ہے۔ یہ اذان اس خاطر ہے کہ رات کو نماز پھنسے والا ذرا آرام لے کر نماز فجر کے لیے تیار ہو جائے۔ اور سویا ہوا اٹھ کر نماز کی تیاری کر سکے، کیوں کہ اکثر انسان رات کی نیند سے بیدار ہوتا ہے تو پہلے نیند کی سستی میں اٹھتے اٹھتے کچھ وقت صرف ہوتا ہے، پھر اس کی کئی طرح کی حاجتیں ہوتی ہیں، مثلاً پائتخانہ، پشاب یا غسل وغیرہ اور صبح کے وضو کے لیے بھی کچھ زیادہ چلنیے، بوجہ لمبی نیند، منہ، ناک وغیرہ میں جو فضلات جمع ہو جاتے ہیں، مسواک وغیرہ سے ان کی صفائی، ان کاموں کے لیے کافی وقت چلنیے، اس کا اندازہ تقریباً ایک گھنٹہ ہو سکتا ہے، سحری کے وقت کی اذان اسی غرض کے لیے مقرر کی گئی ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ صرف رمضان کے لیے مخصوص نہیں بلکہ بارہ ماہ کے لیے ہے۔ اور رمضان کی بجائے دوسرے مہینوں میں زیادہ مناسبت رکھتی ہے، کیوں کہ رمضان میں لوگ کھانے پکانے کے لیے پہلے ہی بیدار ہوتے ہیں، بخلاف غیر رمضان کے، ہاں رمضان شریف میں اس کی اہمیت اس لحاظ سے بڑھ جاتی ہے، کہ اس کے ذریعے لوگوں کو سحری کے وقت اطلاع ہو، اور معلوم ہو جائے کہ صبح قریب ہے، کھانے پینے سے جلدی فارغ ہو جائیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ تمہیں بلال کی اذان کھانے پینے سے نہ روکے، اس سے یہ مقصد نہیں کہ، یہ اذان رمضان ہی کے لیے مخصوص ہے۔ بلکہ اس فرمان کی وجہ یہ ہے کہ رمضان شریف میں اشتباہ کا خطرہ تھا کہ لوگ پہلی اذان سن کر کھانے پینے سے رک نہ جائیں۔ اس لیے آپ نے اس اشتباہ کو دور فرمایا۔ اسی بنا پر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں فرماتے ہیں۔

وادی ابن القطن ان ذالک کان فی رمضان خاصوفیہ نظر (فتح الباری ج ۳ ص ۳۲۶)

”ابن قطن نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ اذان رمضان شریف سے مخصوص ہے۔ لیکن ان کے پاس دعویٰ میں کلام ہے۔“  
نبیل الاوطار میں ہے۔

وقد اختلف فی اذان بلال بلیل حل کان فی رمضان فقط ام فی جمیع الاوقات فالدی ابن القطن الاول۔ قال الحافظ فیہ نظر (نبیل الاوطار جلد نمبر ۱)

”بلال کی اذان جو رات کو ہوتی تھی اس میں اختلاف ہے۔ کہ رمضان شریف کے لیے خاص تھی یا تمام اوقات میں ہو سکتی ہے؟ ابن قطن رحمۃ اللہ علیہ نے اول کا دعویٰ کیا ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ابن قطن کے اس دعویٰ میں کلام ہے۔“

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دونوں اذانوں میں بہت زیادہ فاصلہ نہ ہوتا تھا۔ اگر پہلی اذان بہت پہلے ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں پر اشتباہ کا خطرہ نہ ہوتا کہ یہ فجر کی اذان ہے اور نہ آپ کو اس اعلان کی ضرورت پیش آتی، کہ بلال کی اذان تمہیں کھانے پینے سے نہ روکے، کیوں کہ فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے لوگ خود ہی سمجھ جاتے کہ ابھی کافی رات باقی ہے۔

اس کے علاوہ بعض روایات میں تصریح آگئی ہے کہ سحری اور نماز فجر کی اذان میں فاصلہ تھوڑا ہوتا تھا۔ فتح الباری میں بحوالہ نسائی اور طحاوی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

(ولم یکن یبٹھا الا ان ینزل هذا ویصد هذا) (فتح الباری ج ۳ ص ۳۲۷)

”یعنی دونوں اذانوں کے درمیان صرف اتنا فاصلہ تھا کہ ایک اترتا اور دوسرا چڑھتا تھا۔“

یہ روایت بخاری شریف کتاب الصیام میں بھی ہے، مگر وہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے شاگرد قاسم کی طرف اس کی نسبت کی ہے، لیکن نسائی اور طحاوی کی روایت سے معلوم ہو گیا، کہ قاسم نے اپنی طرف سے نہیں کہا بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سن کر کہا ہے۔ اسی لیے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

فہنی قولہ فی رویۃ البخاری قال القاسم ای فی روایتہ عن عائشۃ (فتح الباری ج ۳ ص ۳۲۷)

”قال القاسم کا معنی بخاری کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ اپنی طرف سے۔“

یاد رہے کہ حدیث کے الفاظ کہ ایک اترتا اور دوسرا چڑھتا، یہ ظاہر پر محمول نہیں، بلکہ یہ مبالغہ ہے۔ کیوں کہ اگر الفاظ کا ظاہری معنی مراد ہو، تو پھر پہلی اذان کا فائدہ ہی کوئی نہیں، حالانکہ پہلے بحوالہ حدیث بیان ہو چکا ہے، کہ اس اذان کی غرض تہجد پڑھنے والے کو لوٹانا اور سونے ہوئے کو جگانا ہے تاکہ وہ نماز فجر کے لیے پوری تیاری کرے۔



اور رمضان شریف میں اس کی غرض یہ بھی ہے کہ کھانے پینے سے جلدی فارغ ہو جائیں۔ لہذا ہر دو اذانوں میں اتنا فاصلہ ہونا چاہیے کہ جس میں ان ضروریات سے فارغ ہو سکے، اس کا اندازہ جیسا کہ پہلے لکھا گیا ہے۔ تقریباً ایک گھنٹہ ہو سکتا ہے۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ فاصلہ تھوڑا تھا۔ تو جو لوگ اس کو تہجد کی اذان سمجھتے اور تہائی رات باقی رہنے کے وقت یا اس سے بھی پہلے دیتے ہیں، وہ غلطی کرتے ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ تہجد پڑھنے والے کو فارغ کرنے کے لیے ہے۔ تاکہ وہ کچھ آرام لے کر نماز فجر کے لیے تیار ہو جائے۔ چنانچہ حدیث کا لفظ لیرج قائم اسی طرف اشارہ ہے۔

فاصلہ تھوڑا ہونے کی وجہ سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ فجر کی نماز کے لیے الگ اذان نہ دی جائے، اسی پر اکتفا کیا جائے تو درست ہے اور اس کے متعلق ایک حدیث بھی آئی ہے۔

فتح الباری میں ہے۔

حدیث زیاد بن الحارث عند ابی داؤد یدل علی الاکتفاء فانہ فیہ انہ اذن قبل الفجر بالمرالبنی صلی اللہ علیہ وسلم وانہ استاذنہ فی الاقامۃ فمنعہ الی ان طلع الفجر فامرہ فاقام (فتح الباری ج ۳ ص ۳۲۶)

”زیاد بن حارث کی حدیث اذان قبل الفجر کے لیے کافی ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ کیوں کہ اس حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے زیاد بن الحارث نے اذان دی اور اس نے اقامت کی اجازت مانگی تو آپ نے اس کو روک دیا، یہاں تک کہ بول پھٹی، پھر آپ نے اس کو اقامت کا امر فرمایا، تو اس نے اقامت کہی۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان بول پھٹنے سے پہلے دی اور اسی پر کفایت کی دوبارہ اذان نہیں دلائی، لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے۔

وفی اسنادہ ضعف وايضاً فصحی واقعہ عین وکانت فی سفر (فتح الباری ج ۳ ص ۳۲۶)

”اس حدیث کی سند میں ضعف ہے، نیز یہ خاص واقعہ ہے جو سفر میں پیش آیا۔“

اور اصول کا قاعدہ ہے۔ کہ خاص واقعہ سے عام استدلال صحیح نہیں، کیوں کہ خاص واقعہ میں کئی احتمال ہوتے ہیں جو مانع استدلال ہیں۔

مالکیہ شافعیہ کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے۔ کہ اگر واقعہ خاص ہے مگر اس میں کوئی ایسا احتمال نہیں جو مانع استدلال ہو۔

رہا ضعف سند، تو یہ مسلم ہے، مگر عمل اہل مدینہ وغیرہ اس کے موافق ہے۔

اور عمل سلف اہل مدینہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مستقل حجت ہے، تقویت تو مستقل حجت نہ ہونے کی صورت میں بھی ہو جاتی ہے، مگر ایسے بڑے ائمہ کے نزدیک مستقل حجت ہونے سے مزید تقویت ہو گئی، پس ضعف سند سے جو اس حدیث میں کمی آگئی تھی وہ اس عمل سے رفع ہو گئی۔ ہاں اس پر دو ڈبل اعتراض وارد ہو سکتے ہیں۔

(اول) یہ کہ اگر پہلی اذان کافی ہو سکتی ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو اذانیں کیوں دلاتے، ایک اذان بلال رضی اللہ عنہ دیتے اور دوسری اذان ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ۔

(دوسرا اعتراض) یہ کہ ابو داؤد وغیرہ میں حدیث ہے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فجر کی اذان ایک مرتبہ غلطی سے پہلے دی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اعلان کر دے۔ الا ان العبد نام خبردار! بندہ سو گیا۔ یعنی مجھے نیند آگئی صبح کا پتہ نہ چلا، بندہ سونے لگا ہے۔ اس اذان کو معتبر نہ سمجھا جائے۔ اگر قبل الفجر اذان معتبر ہوتی تو پھر اس اعلان کی کیا ضرورت (۱) تھی؟ یہ مالکیہ اور شوافع کے اختلافات ہیں۔

احتیاط اختلاف سے نکل جانے میں ہے وہ یہ کہ اگر پہلی اذان دی جائے، تو اس پر اکتفا نہ کی جائے، بلکہ جیسے جمعہ کی دوسری اذان دی جاتی ہے خواہ پہلی ہو یا نہ، اسی طرح یہاں بھی دوسری اذان ضرور ہونی چاہیے۔ گویا پہلی اذان سنت ہے اور دوسری ضروری۔

اور دونوں کا فاصلہ کا اندازہ وہی ہے جو پہلے بیان ہوا ہے اس کا اندازہ تقریباً ایک گھنٹہ ہو سکتا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ پہلی اذان الفاظ کے ساتھ نہیں تھی بلکہ ویسے اعلان تھا۔ مگر یہ بالکل غلط ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اذان کا حقیقی معنی شرعاً انہی الفاظ کے ساتھ اعلان ہے۔ پس یہی مراد ہوگا۔

(۱) اس حدیث کے متعلق اگرچہ حفاظ حدیث کا اتفاق ہے کہ اس طرح غلط ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے کا ہے۔ ان کے مؤذن سے ایسی غلطی ہو گئی تھی۔ جس کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعلان مذکورہ کا حکم فرمایا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ کا واقعہ ہی سمجھ لیا جائے تو پھر عمل اہل مدینہ وغیرہ حدیث زیاد بن حارث کے موافق نہ رہا۔ کیوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اہل مدینہ ہیں۔ اس کے علاوہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری ج ۳ ص ۳۲۶ میں اس کو کئی سندوں سے ذکر کیا ہے، جو ایک دوسرے کو تقویت دیتی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مرفوع کی بھی کچھ اصل ہے بہر صورت یہ اعتراض بھی ڈبل ہے۔



دوم، اگر اذان کے الفاظ نہ ہوتے تو بلال رضی اللہ عنہ کی اذان سے اشتباہ کا کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا تھا، حالانکہ حدیث سے ثابت ہے کہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اشتباہ کا خطرہ ہوا۔ "اس بناء پر آپ نے فرمایا، بلال رضی اللہ عنہ رات کو اذان دیتا ہے۔ پس کھا تو بیو۔ یہاں تک کہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اذان دے۔ ملاحظہ ہو فتح الباری جز ۳ ص ۳۳۶ پس پہلی اذان سنت ہے اگر دی جائے تو مسنون الفاظ سے دی جائے اپنی طرف سے کوئی بدعت قائم نہ کی جائے۔ ورنہ بجائے فائدہ کے نقصان اٹھانا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ (تنظیم اہل حدیث جلد نمبر ۱۸ ش ۲۸)

## فتاویٰ علمائے حدیث

### کتاب الصلاة جلد 1 ص 161-167

### محدث فتویٰ